اُردو قواعد: اکیسویں صدی کے تناظر میں

ڈاکٹر سہیل عباس خان

Dr. Suhail Abbas Khan

Associate Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

ڈاکٹر تنویر حسین

Dr. Tanveer Hussain

Assistant Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

With the analysis of Urdu grammar writing in the perspective of twenty first century,there is a lot of accommodation for an emendation. There should be a corpus for the configuration of Urdu sentence. The meaning of a sentence alters with a change in the arrangement of words. The Urdu composition has set on an odyssey of Construction of sentence after an exodus of Construction of word. In this thesis The Urdu grammar writing is studied in the modern day perspective of twenty first century.

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں علوم کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو بہت سے علوم کا سرچشمہ یونان ہی کی سرزمین ٹھہرتی ہے۔ علمِ قواعد کو سب سے پہلے یونانی فلسفیوں ہی نے مرکزِ توجہ بنایا۔ شروع میں قواعد زبان کا علم ہونے کے حوالے سے ادب و فلسفہ اور فنِ خطابت کا ایک حصہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں قواعد کا مطالعہ ابتدائی جماعتوں تک محدود ہے۔ آپ پڑھے لکھے لوگوں سے اگر علم قواعد کے مطالعے اور دل چسپی کی بات کریں تو وہ نہایت دل چسپ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے چوتھی پانچویں جماعت میں گرامر پڑھی تھی۔ مولوی عبدالحق نے اپنی قواعد کے دیباچے میں اپنے ایک پڑھے لکھے دوست کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے:

> ''مجھے خوب یاد ہے کہ کئی سال کا عرصہ ہوا کہ میرے ایک دوست نے ایک جلسے میں تذکرۃً میری کتاب صرف ونحو اُردو کے متعلق کہا کہ انجمنِ اُردو (حیدرآباد، دکن) اسے چھپوا دے تو بہت اچھا ہو۔ اس پر ہمارے ایک عالم دوست نے فرمایا کہ صرف ونحو کی کتابیں بچوں کے

لیے ہوتی ہیں۔ انجمن کی طرف سے ایسی کتابوں کا طبع ہونا ٹھیک نہیں۔''(۱)

اُردو قواعد نویسی پر آج تک جتنا بھی کام ہوا ہے، وہ صرف صرفی ونحوی اصولوں کو جانچنے کا پیمانہ ہے یا پھر ان اصولوں کی وضاحت وصراحت ہے۔ اُردو قواعد نویسی پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک درجہ کے طلبہ کی ذہنی ساخت کا معیار اہم ہے لیکن اکیسویں صدی نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں بنا دیا ہے اور اس گاؤں میں جو کام نہیں کرے گا، وہ عضوِ معطل ہو کر رہ جائے گا۔ اُردو قواعد نویسی کو اب جدید سانچوں میں ڈھالنا ہوگا۔ تاحال اُردو قواعد نویسی میں جتنا کام ہوا ہے، وہ بنیادی طور پر قواعد کے اصولوں کے دائرے ہی میں گھومتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں جو بنیادی کام ہوئے ہیں، وہ عربی فارسی روایت کے بعد مستشرقین کے ہاں ملتے ہیں۔ چند مستشرقین کی کتبِ قواعد درج ذیل ہیں:

کیٹلر لنگوا ہندوستانیکا	جان جوشوا کیٹلر
گرامیٹیکا انڈوستانیکا	بنجمن شلزے

اے کمپینڈی اس گرامر آف دی کرنٹ ڈائلیکٹ آف جارگن آف ہندوستان

(ہیڈلے)

اُردو صرف ونحو کی دیگر کتابوں اور اُن کے مصنفین کے نام ذیل میں درج ہیں:

۱۔ اُردو کی صرف ونحو معروف بہ تحفۂ الفنسٹن	(۱۸۲۳ء): منشی محمد ابراہیم
۲۔ چشمۂ فیض (رسالہ اردو صرف ونحو)	(۱۸۴۵ء): مولوی احمد علی دہلوی
۳۔ اُردو صرف ونحو	(۱۸۴۹ء): مولوی امام بخش صہبائی
۴۔ قواعد المبتدی	: منشی کریم الدین
۵۔ جامع القواعد	(۱۸۴۵ء): مولانا محمد حسین آزاد

رام بابو سکسینہ نے ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے نئے قواعد نویسوں کی رہنمائی کے لیے قابلِ غور بات لکھی ہے، جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اس تحقیقی مضمون کی غرض وغایت بھی یہی ہے:

''مگر ہماری ناچیز رائے میں باوجود ان تمام کتب کے جن میں اکثر فی زمانا موجود ہیں۔ پھر بھی ایک مکمل سائنٹفک گرامر کی اب بھی سخت ضرورت ہے۔''(۲)

ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی مشہور کتاب ''قواعدِ اُردو'' کے دیباچے میں لکھا ہے کہ زمانۂ حال میں صرف ونحو پر جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں، وہ عربی صرف ونحو کی تقلید میں ہوئی ہیں:

''زمانۂ حال میں متعدد کتابیں اس بحث پر مدارس کے طلبا وغیرہ کے لیے پنجاب وممالک متحدہ آگرہ واودھ میں تالیف ہوئی ہیں، جن میں کم وبیش عربی صرف ونحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ البتہ مولوی محمد اسماعیل صاحب نے جو دو مختصر رسالے طلبائے مدارس کے لیے لکھے ہیں، ان میں انھوں نے تقلید سے الگ ہو کر جدت سے کام لیا ہے لیکن یہ رسالے بہت مختصر ہیں اور صرف ابتدائی مدارس کے طالب علموں کے لیے کارآمد ہو سکتے ہیں۔''(۳)

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق کی کتاب ''قواعدِ اُردو'' دیگر کُتبِ قواعد سے کس طرح مختلف ہے۔ مولوی صاحب خود اپنی کتاب کے حوالے سے ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کے لکھنے میں اس خیال کو مدِنظر رکھا ہے اور صرف طلبائے مدارس کی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا ہے بلکہ زیادہ تر یہ کتاب ان حضرات کے لیے ہے جو زبان کو نظر تحقیق سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں اب تک جو کتابیں قواعد کی رائج ہیں، ان میں عربی صرف ونحو کا تتبع کیا گیا ہے۔اُردو خالص ہندی زبان ہے اور اس کا شمول آریاوی السنہ میں ہے، بخلاف اس کے عربی زبان کا تعلق سامی السنہ سے ہے۔لہٰذا اُردو زبان کی صرف ونحو لکھنے میں عربی زبان کا تتبع کسی طرح جائز نہیں۔ دونوں زبانوں کی خصوصیات بالکل الگ ہیں جو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا۔اسی طرح اگرچہ اُردو ہندی نژاد ہے اور اس کی بنیاد قدیم ملکی زبان پر ہے، افعال جو زبان کا بہت بڑا جُز ہیں۔ نیز ضمائر اور اکثر حروف سب کے سب ہندی ہیں، صرف اسماء وصفات عربی فارسی کے داخل ہو گئے ہیں اور چند گنتی کے مصادر جو عربی فارسی الفاظ کے بن گئے ہیں۔ مثلاً بخشنا، بدلنا، قبولنا، تجویزنا وغیرہ کسی شمار میں نہیں بلکہ بعض ثقات بزعم خود انھیں فصیح بھی نہیں خیال کرتے، تاہم اُردو زبان کی صرف ونحو میں سنسکرت کے قواعد کا تتبع بھی نہیں کیا جا سکتا۔''(۴)

مختلف ادوار میں اُردو قواعد نویسی کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں زیادہ زور صَرف پر دیا گیا ہے۔نحوی استعمال کی طرف خاص طور پر افعال کے صیغوں کے حوالے سے اس طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ مولوی عبدالحق کی قواعد کی کتاب میں ایک کمی کا احساس بہت زیادہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اصطلاح سازی کو زیادہ اہمیت نہیں دی ہے۔ ان کی قواعد کی کتاب مروجہ قواعدی اصطلاحات کے دائرے ہی میں گھومتی رہی ہے۔اگر انھوں نے کسی جگہ صیغوں کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان صیغوں کے نام نہیں رکھے۔صرف صورتِ اول، صورتِ دوم اور صورتِ سوم وغیرہ ہی پر اکتفا کیا ہے۔مولوی صاحب نے جملے کی ساخت پر بحث نہیں کی۔ان کا کمال یہ ہے کہ عربی فارسی کے اثرات کی بجائے اُردو کی قواعدی صورت یعنی ہندی الاصل ہونے کی بنا پر گرامر لکھی ہے۔مولوی صاحب نے اُردو گرامر کو سادہ اور آسان فہم انداز میں لکھ کر مدرسین اور طلبہ کے لیے ایک کارآمد اور مفید چیز بنا دیا ہے۔

اُردو قواعد نویسی کے باب میں ایک اور اہم اضافہ عصمت جاوید کی ''نئی اُردو قواعد'' ہے۔اُردو قواعد نویسی کے سلسلے میں ایک فکری مغالطہ یہ بھی تھا کہ قواعد کی افادیت صرف غیر زبان والوں کے لیے تھی۔ خود اہلِ زبان اس سے مستثنیٰ ہیں۔قواعد نویسی کا یہ انداز صرف قواعدی اصولوں میں جکڑا ہوا تھا۔عصمت جاوید کی قواعد جملے کی ساخت کی طرف بڑھتا ہوا پہلا قدم ہے۔ اس میں جملے کی نحوی صورت کو خاص طور پر موضوعِ بحث بنایا گیا ہے لیکن اس قواعد میں جو چیز کھٹکتی ہے وہ مثالوں کی کمی ہے۔ مصنف کا اسلوب بھی کئی جگہ گنجلک ہو جاتا ہے جو ابلاغ کے راستے میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔عصمت جاوید جملے کی زیادہ تر بنیادی صورت ہی کو زیرِ بحث لاتے ہیں یا اس میں لفظی اضافہ کرتے ہیں۔ وہ جملے کے معنیاتی نظام کو سامنے لانے میں کامیاب

نہیں ہوتے۔

چند سال قبل مقتدرہ قومی زبان پاکستان کے زیرِ اہتمام راقم کی ''بنیادی اُردو قواعد'' (ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ) منظرِ عام پر آئی۔ کتاب لفظ کی ساخت، ترکیب اور ماخذ کی نشان دہی کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں افعال کے لغوی و لفظی معنی بھی دیے گئے ہیں۔ افتخار عارف ''بنیادی اُردو قواعد'' کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> ''بُنیادی اُردو قواعد'' کی چند اہم خصوصیات جو غیر ملکی طالب علموں کے ساتھ ساتھ ملکی سطح پر اساتذہ اور طالب علموں کے لیے یکساں مفید ہیں، وہ لفظ کی ساخت، ترکیب اور ماخذ کی نشان دہی ہے۔ اس کتاب میں افعال کی ایک فہرست لفظی اور لغوی معنی کے ساتھ دی گئی ہے اور سابقوں لاحقوں میں بھی اسی طرح کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ تمام پہلو لفظ سازی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں، یہ قواعد کی ایک عام کتاب نہیں، بلکہ جدید اُردو لسانیات میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں بے نام اصطلاحات کو نئے نام دے کر ان کی تعریفوں کا تعین کر دیا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے قدیم عربی فارسی قواعد نویسی سے استفادہ کے ساتھ ساتھ جدید فارسی قواعد کے اصولوں کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اسی طرح مرکبات سازی میں بھی عربی فارسی کے قواعد کی اہمیت کے ساتھ ہندی کے قواعد کو بھی شامل کیا گیا ہے ــــــ زیرِ نظر کتاب کا ایک نمایاں وصف قواعد اور لغت کا الحاق ہے۔''(۵)

قواعد نویسی کے حوالے سے ایک اور اہم کتاب سونیا چرنیکووا کی ''اُردو افعال'' ہے۔ سونیا چرنیکووا کا کام اس اعتبار سے دل چسپ اور منفرد ہے کہ انھوں نے افعال کے صیغوں کی مختلف صورتوں کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے صیغوں کی تعمیری صورتِ حال کا جائزہ لیا ہے کہ صیغہ طویل ہے، ترقی پذیر ہے، وقفہ پذیر ہے، استقلالی صورتِ حال ہے یا ماضی حال کا کون سا استعمال ہے لیکن ان کے کام میں بھی وہی کمی ہے جو عصمت جاوید کے کام میں ہے اور وہ ہے جملے کا معنیاتی نظام۔ یہ ایک ایسا طلسم ہے جس کا قُفلِ ابجد ابھی کھولنا باقی ہے۔

اُردو قواعد نویسی حُکمیہ انداز پر چلی آ رہی ہے جس میں جُملے کی صحت پر زور دیا جاتا تھا۔ اکیسویں صدی کے جدید تقاضوں کے مطابق ضرورت اس امر کی ہے کہ قواعد نویسی جو مختلف سرچشموں سے پھوٹی ہے، اسے ایک بہتے دریا کی روانی میں بدل دیا جائے۔ اُردو جملے کی خوب صورتی اس کے افعال پر منحصر ہے۔ میر امن اور میر تقی میر جیسے مشہور ادیب و شاعر کی تصانیف و کلام کو سامنے رکھیں تو ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ ہے افعال کی کثرت جو زندگی کی رنگا رنگی اور معاشرے سے گہری وابستگی کی عکاس ہے۔ اُردو جملے کی خوب صورتی امدادی افعال سے ہے۔ امدادی افعال پر تمنا عمادی کی مشہور کتاب ''افعالِ مرکبہ'' بنیادی کتاب ہے لیکن اس کتاب کو بھی تصنیف ہوئے پچاس برس سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ علی عباس جلال پوری نے ''عام فکری مغالطے'' نامی ایک کتاب تحریر کی جس میں بہت سے مغالطے دور کرنے کی کوشش کی لیکن اب بھی بہت سے علمی و ادبی مغالطے ایسے ہیں جنھیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک مغالطہ امدادی افعال کے بارے میں بھی ہے اور وہ یہ کہ امدادی افعال

صرف زور اور شدّت پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جب کہ امدادی افعال اصل میں جملے میں مرادی معنی پیدا کرتے ہیں۔ امدادی افعال کی کثرت کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ میر امن نے ''باغ و بہار'' میں پانچ ہزار کے قریب امدادی افعال استعمال کیے۔

امدادی افعال اُردو کے تقریباً ہر جملے میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس طرح اُردو کا یہ جُملہ امدادی افعال کی تبدیلی کے ساتھ معنی و مفاہیم کے نئے در وا کرتا ہے۔

اکیسویں صدی کی جدید قواعد نگاری میں ضرورت اس امر کی ہے کہ جملے میں الفاظ کی نشست بدل کر اس کی مختلف معنوی شکلوں کا مطالعہ کیا جائے۔ اس طرح اُردو قواعد نگاری لفظ کی ساخت سے نکل کر جُملے کی ساخت کے سفر پر روانہ ہوگی اور یہ جدید عصری تقاضوں سے نہ صرف ہم آہنگ کردے گی بلکہ اُردو قواعد نویسی اپنے ثقافتی اظہار کا بھی سبب بنے گی۔ کیوں کہ امدادی افعال جس خوب صورتی اور جن معنوی پرتوں کے ساتھ اُردو میں استعمال ہوتے ہیں، اس کی نظیر دنیا کی دیگر زبانوں میں ملنا مشکل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالحق، مولوی، قواعدِ اردو، لاہور: لاہور اکیڈمی، س ن، ص:۱۰

۲۔ رام بابو سکسینہ، تاریخِ ادب اُردو، مترجم: مرزا محمد عسکری، لاہور: سیونتھ اسکائی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۳۸۰

۳۔ عبدالحق، مولوی، قواعدِ اُردو، ص:۲۳۔۲۲

۴۔ ایضاً، ص۲۴

۵۔ افتخار عارف، پیش لفظ: بنیادی اُردو قواعد، از ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص:۲

☆......☆......☆